جمعہ 5 مئی 2000ء

راولپنڈی

دعوت تربیت اور اقامت دین

پروفیسر خورشید احمد

قرآن پاک کی ہر آیت ہدایت کا منبع اورنور کا سر چشمہ ہے۔ یہ کتاب حق اور صرف حق کا ایک نہ خشک) ہونے والا سمندر ہے۔ یہ بھی اس قرآن کا معجزہ ہے کہ اس کی ایک ایک آیت میں ایسے حقائق کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے جن کا مکمل احاطہ فکر انسانی کی پوری تاریخ اور قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کی صدیوں کی داستان بھی کما حقہ نہیں کر پاتے۔ ایسی ہی ایک آیت میں فرد ، اور گروہ معاشرہ اور قوم امت اور انسانیت کے عروج وزوال بناؤ اور بگاڑ ، ترقی اور تنزل کامیابی اور ناکامی کے عمل کی کنجی کو سنت الہی کے ایک بنیادی نکتے کی صورت میں پیش کر دیا گیا

ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر و ما بانفسھم (الرعد 13-11)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

آل فرعون اور ان سے پہلے قوموں کا ذکر کرتے ہوئے اس اصول کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

نرل بان اللہ لم یک مغیر نعمت اسما علی قوم حتی غیر وبا تسھم وان اللہ سمیع علیم (الانفال - 8-53)

یہ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کمر عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

دونوں آیات میں تبدیلی کا مدار " نفس کی تبدیلی کو قرار دیا گیا ہے۔ جو فردیا قوم کے اندرون کی پوری دنیا پر حاوی ا ہے۔ ہے۔ سویا انفس ہی ہی وہ و زمین ہے جہاں عروج و زوال کی تخم ریزی ہوتی ہے اور پھر یہی وہ پیچ اور جڑ ہے جس سے تبدیلی اور انقلاب کا تناور درخت نشو نما پاتا ہے۔ تبدیلی محض بیرونی عوامل کا کرشمہ نہیں ہوتی۔ یہ اندر کے گھرے اور ہمہ جہتی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ قرآن حکیم پر تدبر کرنے سے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ا نفس سے مراد اندر کی دنیا کا ایک پورا عالم ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح " آفاق سے باہر کی دنیا کا عالم مراد ہے۔

سر مھم ایتنا في الافاق و في انفسھم (ھم السجدة: 41-53) عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی انفس میں وہ تمام قوتیں شامل ہیں جن کا اثر کسی نہ کسی شکل میں انسانی عزائم ، اعمال اور اس کی سعی جد و جہد پر پڑتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں انفس عبارت اور نفسی اخلاقی اور عملی قومی سے ۔ ہے تمام ذہنی اور

تبدیلی اور انقلاب کا آغاز دل اور دماغ اور ذہن و ادراک سے ایک اندرونی تبدیلی کی شکل میں ہوتا ہے۔ جو ایمان و ایقان افکار و احساسات ، تصورات اور زندگی کے عزائم کی صورت میں فکر و عمل کی صورت گرمی ہے۔ یہی وہ صلاحیت ہے جس سے عروج و ترقی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ فرد ہو یا قوم ، وہ اپنے اخلاق و

اعمال ہی کے ذریعے بلندی یا پستی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے قرآن کے اس سوتے کو بڑے سادہ اور دل نشین انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا امت مسلمہ کے حالات پر نظر ڈالیے یا پاکستان فساد اور اندرون (انفس) کا بگاڑ ہے۔ جس کی اصلاح کے بغیر صورتحال میں حقیقی تبدیلی کا امکان معدوم ہے۔ محض در و دیوار کی لیپا پوتی سے امت کی نشاہ ثانیہ کا حصول ممکن نہیں۔ بلا شبہ نظام کی اصلاح مطلوب بھی ہے اور ناگزیر بھی لیکن اس کا حصول اس وقت ممکن ہے جب اس کا نقطہ آغاز اور محور و مرکز دلوں کی معاشرے ریاست اور معیشت کے نظام کی تبدیلی پر تم ہے جبکہ اسلام جس انقلاب کا داعی ہے وہ اندرون" کی اصلاح سے شروع ہو کر فرد اور معاشرہ دونوں کی ں کی مکمل قلب ماہیت کر دیتا ہے اور اسطرح پورے نظام کی تبدیلی پر منتج ہوتا ہے۔ اسلام اجتماعی زندگی کے بگاڑ کو اس سے

بھی زیادہ خطرناک سمجھتا ہے۔ جس کا اظہار مغرب کی فکر فکر و دانش میں کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام کا دعوئی اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اجتماعی بگاڑ کی اصلاح محض اجتماعی زندگی کے دروبست کو تبدیل کرے سے نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورت میں برائی نت نئے روپ دھار کر طرح طرح کی نئی شکلوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے اور مرض بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اجتماعی بگاڑ کی اصلاح کا راستہ بھی نفس کی اصلاح ہی کی وادی اور آلام کم ہونے کا نام نہیں لیتے۔ عالم یہ ہے کہ ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا بیسویں صدی اپنے بہت سے مثبت اور منفی پہلوؤں کی وجہ سے یاد کی جائے گی لیکن عالم اسلام کے نقطہ نظر سے دو پہلو بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس مدی کا آغاز ایسے حالات میں ہوا کہ تقریبا پوری مسلم دنیا مغربی استعمار کے چنگل میں گرفتار تھی اور مغربی تہذیب کے علم بردار اس زعم میں تھے کہ اب ہمیشہ کیلئے وہی دنیا پر قابض رہیں گے۔ لیکن اس صدی کے اختتام تک مغربی استعمار کا سورج تقریباً غروب ہو گیا اور خود اس کی تہذیب کے بطن سے ایسے ایسے تضادات اور حوادث رونما ہوئے جن کے نتیجے میں اس تہذیب کا رعب ہی ختم نہیں ہوا بلکہ اس کی چولیں تک ہل گئیں اور اقبال کی اس پیش گوئی کے پورا ہونے کے آثار نظر آنے لگے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا دوسری طرف عالم اسلام کو مغربی استعمار کا پردہ چاک کر کے دوبارہ عالمی سیاسی و معاشی افق پر ابھر نے کا موقع ملا۔ احیاء کی اس پوری جدوجہد کی اصل نظریاتی اور اخلاقی جڑیں ان دینی تحریکوں کی دعوت کی مرہون منت ہیں جو سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد اسلامی دنیا کے مختلف حصوں خصوصیت سے عالم عربی اور بر عظیم میں رونما ہوئیں اور جن کا ہدف منہاج نبوی کے مطابق دور حاضر میں دین کی اقامت اور انفس کی اصلاح کے ذریعے آفاق کی تعمیر نو ہے اور نہ صرف امت مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کو نئی زندگی اور نیا نظام دینا ہے۔

اسلام کی اس دعوت کو اسلامی تحریک کا عنوان اسلئے دیا جاتا ہے کہ صدیوں کے جمود کو توڑ کر اسلام کو پھر اسی طرح ایک دعوت اور پیغام کی شکل میں پیش کیا گیا جس طرح سرور عالم محمد صلی اللہ علیہ و سلم اور آپ کے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے پیش کیا تھا۔ قول و فعل کی ہم آہنگی اللہ کی رضا اور اس کے دین کے قیام کو ہر دوسری مصلحت پر غالب رکھنا اور فرد کے فکر و نظر اور سیرت و اخلاق سے لیکر معاشرے کے ہر ہر پہلو کی اصلاح اس کا ہدف اور

مزاج ہے۔ یہ ایک ہمہ گیر دعوت ہے جس کا مقصد زندگی کے ہر شعبے میں اہل ایمان کی قیادت میں شریعت کے مطابق اسلام کے نظام عدل و صلاح کا قیام ہے۔ اس تحریک نے دین و دنیا کی تفریق اور و مذہب و سیاست کی روئی کے جاہلانہ تصورات کو چیلنج کیا اور شریعت کے نفاذ اور اسلامی حکومت کے قیام کی جد و جہد کی لیکن نظام کی تبدیلی کی یہ جدوجہد مغربی ماڈل پر نہیں بلکہ خالص اسلامی صبح پر ہے۔ جس کی جڑیں ایمان ، عمل صالح ، انفرادی اور اجتماعی تقوی اور دعوت الی الخیر میں ہیں۔ قانون اور نظام اصلاح اس ہمہ گیر جدو جہد کا ایک لازمی حصہ ہے۔ اور یہ اسلئے کہ اجتماعی زندگی کی اصلاح کے بغیر انقلاب مکمل نہیں ہو سکتا۔ لیکن نظام کی تبدیلی ایک وسیع تر تبدیلی کا حصہ ہے۔ اس سے ہٹ کر اس کا کوئی وجود نہیں۔

اجتماع کی اصلاح اور اسلامی حکومت کے قیام پر زور دینے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ دو سو سال تاریخ کا دور منفرد ہے جب اسلام اور ملت اسلامیہ قوت و اقتدار سے محروم ہو گئی اور اس کی گرفت رفتار زمانہ پر ڈھیلی پڑ گئی۔ جو امت گیارہ بارہ سو سال تک ایک عالمی طاقت رہی وہ عملاً مغلوب اور محکوم ہو گئی۔ بالآخر 1924 میں خلافت عثمانیہ کی تحلیل سے وہ عالمی سیاسی افق پر سے معدوم کر دی گئی۔ فطری طور پر جو چیز چھین لی گئی ہو اس کی بازیافت کو نئی جدو جہد میں ایک مرکزی اہمیت حاصل ہونی چاہئے تھی۔ اور ملی زندگی میں جہاں خلا واقع ہو گیا تھا اسے بھرنے کی ضرورت کو نمایاں کرنا اور ابھار نا وقت کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تحریکات کے پروگرام میں امت کی سیاسی آزادی اور مخازن قوت مکی اسلامی تسخیر کی اہمیت حاصل ہوئی۔ لیکن اسلامی تحریکات کا یہ پروگرام ایک وسیع تر پروگرام کا حصہ ہے۔ جو فرد کی اصلاح ، معاشرے کی تعمیر نو ، خیر کی قوتوں کی نظم بندی ، نئی صالح قیادت اور اسلامی بنیادوں پر زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر سے عبارت ہے۔ یہ محض سیاسی اسلام کا کوئی روپ نہیں۔ اسلام کی اصل دعوت کو دور حاضر کے تناظر میں کسی سمجھوتے اور کسی مداہنت کے بغیر پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔ ان تحریکات کے امتیازی کردار کو سمجھنے کے بغیر ان پر فتوی زگی ، حق و انصاف سے روگردانی اور دور حاضر میں دعوت و تربیت کی مساعی اور ان کے تقاضوں کو سمجھنے میں ناکامی ہے۔

جطرح ڈاکٹر یا حکیم مریض کو وہی دوادیتا ہے جو مرض کا مداوا کر سکے اور وہی مقویات تجویز کرتا ہے جن کی کمی ہو اسی طرح تحریکات اسلامی نے بھی اُن ہے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جو نظروں سے اوجھل یا معدوم ہو گئے تھے۔

فرد اور معاشرے کی اصلاح اور بالاخر انقلاب قیادت اور اسلامی نظام عدل و مساوات کے قیام کا یہ کام بہ یک وقت دونوں جہانوں سے مساعی کا متقاضی ہے۔ اپنی اصلاح ایک دوسرے کی اصلاح ، اور نظام زندگی اور قوت و اقتدار کی اصلاح ایک ہی کوئ اور جدو جہد کے مختلف رخ اور پہلو ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت اور تکمیل کا باعث ہوتے ہیں۔ ایک الگ الگو نیا نہیں ہیں۔ اس کا تقاضا ہے کہ ایک طرف ہر فرد کو یہ دعوت دی جائے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے ، اس سے کئے ہوئے عہد (کلمہ طیبہ) کے تقاضوں کو جاننے اور پورا کرنے کی کوشش کرئے اپنی اپنے خاندان اپنے اہل و عیال اور اہل محلہ کی اصلاح کی کوشش کرے اللہ کے تمام بندوں تک پہنچے اور انہیں بندگی کی زندگی کی دعوت دے ، وہیں اس بات کی ضرورت ہے کہ اجتماعی زندگی کے نظام اور محرکات کو اسلامی زندگی کے قیام اور فروغ کیلئے استعمال کیا جائے۔ تمام اجتماعی قوتوں ، اور خصوصیت سے ریاست کے وسائل کو ایمان کی آبیاری صالحیت کے فروغ نواہی کے خاتمے اور معروف کے قیام کیلئے استعمال کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں ایک طرف خود اپنے کو بدلو " کی کوشش ہو تو دوسری طرف اجتماعی ماحول اور ریاست کے وسائل اور امر کے نفاذ اور بدی ، ظلم اور طغیان کے استیصال کیلئے استعمال ہوں تا کہ خدا کی زمین پر خدا کی مرضی پوری ہو سکے اور اس کا قانون جاری و ساری ہو سکے۔ یہ دونوں کام ایک دوسرے کے معاون اور تعمیل کرنے والے ہیں یہ یا وہ " کا تعلق نہیں بلکہ یہ دو جڑواں بھائیوں کی طرح ہیں ، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

الاسلام و السطلان اخوان تو امان لا یصلح واحد منھا الال لصاحبه فا الاسلام اس و السطلان حارس و اما اللہ لا یھدم و ما لا حارس له ضائع (کنز العمال) اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں ، دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو تو وہ گر جاتی ہے اور جس کا کوئی نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جا سکتا ہے۔

اصلاح فرد معاشرہ اور اصلاح حکومت اور انقلاب قیادت ایک ہی جدوجہد کے دو پہلو اور محاذ ہیں اور ہر محاذ اپنی جگہ اہم اور دوسرے محاذ کو تقویت دینے والا ہے۔

گھر کی اصلاح اور خاندان کے یونٹ کو اقامت دین کی جدو جہد کا بنیادی پتھر بنا دینا اس کا دوسرا ہدف ہے۔ خاندان کی بنیاد محض ایک رسمی رشتہ نہیں۔ یہ تہذیب کا گہوارہ اور اسلامی سیرت و کردار کی تعمیر کیلئے سب سے اولیں اور کار فرما ادارہ ہے۔ شریعت میں ایمانیات اور عبادات کے بعد سب سے زیادہ ہدایت

جس ادارے کے بارے میں ہے وہ خاندان ہی کا ادارہ ہے۔ خود حضور پاک کو دعوت کے باب میں ہدایت فرمائی گئی کہ (پس اے نبی) اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ .. (الشعراء 26 - 214) تمام مسلمانوں سے فرمایا گیا۔ اے لوگو جو ایمان لائے۔ بچاؤ اپنے آپ کو اپنے اہل و عیال کو اس سے آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ (التحریم۔ (6-66) حضور اکرم نے ان والدین کو بشارت دی جو اپنی اولاد کی صحیح تربیت کریں اور جو امانت ان کو سونپی گئی ہے اسے پورا پورا ادا کریں۔

آج خاندان کا نظام اندرونی ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت کے عمل سے دو چار ہے۔ اپنوں کی جہالت اور غفلت اور بیرونی دشمنوں کی ہمہ گیر یلغار دونوں کے باعث دین و تہذیب کا یہ حصار تباہی کی زد میں ہیں۔ اس قلعے کی حفاظت اور اسے ایک بار پھر اسلامی قوت کا منبع بنانا ہماری اولین ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان خواتین کا کردار سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن وہ اپنا کردار اسی وقت ادا کر سکتی ہیں جب ہم ان کے حقوق پورے پورے ادا کریں اور انہیں عضو معطل بنا کر نہ رکھیں بلکہ ان کو وہی مقام دیں اور مواقع فراہم کریں جو اللہ اور اس کے رسول کو مطلوب ہیں۔ قرآن حق و باطل کی کشمکش کے سلسلے میں مردوں اور عورتوں کو ایک ہی زبان میں خطاب کرتا ہے اور ایک ہی ذمہ داری کو ادا کرنے کی طرف بلاتا ہے۔ لیکن ہم قرآن کی اس پکار کو غفلت سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ گھر کی اصلاح اہل خاندان اور قرابت میں دعوتی کام اور مردوں اور خواتین کا دعوت الی الخیر ، امر با المعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریوں کو اپنے اپنے دائروں، صلاحیتوں اور امکانات کے مطابق انجام دینے کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔

اس پروگرام کا ایک اور بڑا اہم حصہ با مقصد اور اسلامی اقدار پر مبنی تعلیم کا فروغ ہے۔ موجودہ تعلیمی صور تحال میں ضروری ہو گیا ہے کہ اہل خیر اچھی اور اسلامی اقدار پر مبنی تعلیم کی فراہمی کا انتظام بھی شعبے میں کریں اور ایک ایسی ملک گیر تعلیمی تحریک برپا کریں کہ ایک متبادل صحت مند نظام وجود میں آ جائے۔

سرکاری سطح پر اصلاح کے امکانات کم سے کم ہونے کے بعد اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ملک و ملت کے بہی خواہ اور پر تبدیلی کے انتظار کئے بغیر اپنی نسل کو آگ کی لپیٹ سے بچانے اور اپنے دین اور ثقافت کی حفاظت کیلئے جس طرح بیرونی

استعمار کے دور میں اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے خود کو شاں ہوئے تھے۔ اسی طرح اندرونی استعمار سے ٹکر لینے کیلئے خود ہی اپنے بچوں کی بہتر تعلیم کا بندو بست کریں۔

ہمیں یقین ہے کہ جس طرح مغرب کے زیر اثر تعلیمی تحریک نے بقول اقبال تعلیم کے " تیزاب " میں مسلمان قوم کی خودی ڈال کر اپنے مفید مطلب انداز میں بگاڑنے کی کوشش کی یہ اصلاحی تحریک اس قوم کی نئی نسلوں کو پھر اسلام کا سپاہی اور پاسبان بنانے میں اہم کردار ادا کرے گی ۔ اور انشاء اللہ دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے " حکومت کی تعلیمی پالیسی پر تنقید اس کی ناکامیوں کا احتساب اور صحیح نظام تعلیم کا مطالبہ اسی طرح جاری رہے گا لیکن اپنی مدد آپ کے تحت ایک متبادل نظام بھی قائم کرنا ضروری ہے۔